چودہری محمد علی ردولوی کا ایک اہم افسانہ

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی*

Abstract:

This article is an analysis of one short story "Teesri Jins" in physiological context. According to the article it is very first Urdu short story about third sex. It reflects the versions behind the experience of homo asexuality after the psycho analysts of the characters of the story.

ہمارے خیال میں چودہری محمد علی ردولوی کا افسانہ ''تیسری جنس'' ہم جنس پرستی کے موضوع پر اردو کا پہلا بھرپور افسانہ ہے۔ اس افسانے سے اس امر کے شواہد ٹھوس انداز بھی ملتے ہیں کہ افسانہ نگار نے فرائیڈ اور ہولاک ایلس کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا۔ ہم جنس پرستی کے حوالے سے یلدرم ''خارستان وگلستان'' اگرچہ توجہ حاصل کر لیتا ہے مگر افسانے کی مجموعی فضا اس موضوع کو بھرپور انداز میں سامنے نہیں آنے دیتی۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے یلدرم کے اس افسانے کو اردو کا پہلا جنسی افسانہ قرار دیا ہے(۱) یلدرم کے اس افسانے کا اعجاز ہے کہ ڈاکٹر قاضی عابد نے یلدرم کے ''خارستان وگلستان'' کو اردو کا پہلا اساطیری افسانہ قرار دے کر مہا بھارت کے تیسرے حصے ''بن پرب'' میں موجود راج ہنس نل اور دمینتی کی اساطیر کو اس سے جوڑا ہے (۲) جبکہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس افسانے کو یونانی صنمیات کی "Leda" کے تناظر میں جانچا ہے(۳)۔ غرض یہ کہ یلدرم کے ''خارستان وگلستان'' نے ہر موضوع پر کام کرنے والے کی توجہ حاصل کی ہے۔ یلدرم کے ''خارستان وگلستان'' میں نسرین نوش کا سفید براق ہنس کو دھڑکتے سینے سے لگا لینے اور پریوں کی صحبت میں رہنا وغیرہ ضمنی اور ادھورے اشارے ہیں۔ افسانے کا بنیادی موضوع ہم جنس پرستی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ مخالف جنس کے لیے لاشعوری تڑپ اور تشنگی قرار دیا جا سکتا ہے۔ دورانِ تحقیق چند

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔

ایک ناقدین نے ہم جنس پرستی کے حوالے سے محمد حسن عسکری کے افسانے ''پھلسن'' کو اس موضوع پر اردو کا اولین افسانہ قرار دے کر ہمیں اس افسانے کو اولیت کی نظر سے پرکھنے کی رہنمائی کی مگر ہمارا خیال ہے کہ محمد حسن عسکری سے قبل چودہری محمد علی ردولوی کا افسانہ ''تیسری جنس'' ہم جنس پرستی کے حوالے سے نمائندہ افسانہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ردولوی کا یہ افسانہ نقوش کے افسانہ نمبر شمارہ ۵۳، ۵۴ دسمبر ۱۹۵۵ء میں ابتدائی عہد کے افسانوں میں شائع کیا گیا۔ چودھری محمد علی ردولوی نے ''تیسری جنس'' میں ایک تحصیلدار اور اس کے نوجوان ملازم حسن علی کے مابین جنسی روابط کو جہاں نمایاں کیا ہے تو وہاں ایک عورت؛ مدی کی ہم جنس پرستی کو بھی ابھارا ہے۔ ردولوی نے افسانے میں بڑے دھیمے انداز میں ''میلانِ ہم جنسی'' پر بات کی ہے۔ اس افسانے میں نہ تو لذتیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور نہ ہی سنسنی پھیلائی گئی ہے۔ بہت بعد میں یہ احتیاط ممتاز شیریں نے ''انگڑائی'' میں برتی۔ ردولوی کا یہ افسانہ اس مسلم عہد کی تہذیبی باقیات سے بھی متعلق ہو جاتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا کلین شیو ہونا معیوب سمجھا جاتا تھا اور ڈاڑھی کو مسلمان کی شناخت قرار دیا جاتا تھا۔ ردولوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''لوگ دونوں کا ذکر کر کے مسکراتے تھے اور آپس میں آنکھیں مارتے۔ میاں حسن علی کا استرے سے صفا چٹ چہرہ اور تحصیلدار کی بھبو داڑھی پر چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔ داڑھی مونچھ کا صفایا انگریزداں حضرات کا حق ہے۔ اگر حسن علی ایسے اپنی چال چھوڑ کر ہنس کی چال چلیں گے تو۔۔۔ لوگ کوئی نہ کوئی فی لگالیں گے۔''(۴)

محمد علی ردولوی نے ہم جنس پرستی کو سماجی حقیقت کے طور پر نہیں دیکھا اور نہ ہی ان عوامل کی نشاندہی کی ہے جو اس میلان کا باعث بنتے ہیں۔ ردولوی کے بعد آنے والے افسانہ نگاروں نے تخلیقی بنیادوں پر اس میلان کا سراغ لگایا ہے۔ مثال کے طور پر عصمت چغتائی کے افسانے کا جائزہ لیتے ہوئے منٹو نے کہا: ''عصمت چغتائی اپنے مشہور افسانے میں لکھ چکی ہیں کہ ایک عورت کے خاوند کو اغلام بازی کی عادت تھی۔ اس کا یہ ردِعمل ہوا کہ اس عورت نے دوسری عورتوں سے ہم جنسی شروع کر دی۔''(۵)

ممتاز شیریں نے ''انگڑائی میں بلوغت کے ابتدائی مراحل میں اپنی ہی جنس کی طرف فطری کشش اور اس کے عوامل کا سراغ لگایا، حسن عسکری نے ''پھسلن'' میں بھی بلوغت کے اولین مدارج سے اس میلان کی طرف کشش کو نمایاں کیا مگر ردولوی کے ہاں سماجی یا انفرادی رویوں کا حوالہ نظر نہیں آتا۔ افسانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ردولوی کی توجہ اس میلان کی جانب معاشرتی مشاہدات کی بجائے یورپی تحقیقات کے مطالعے سے ہوئی۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''اللہ میاں نے دو جنسیں بنائیں ہیں۔ عورت اور مرد۔ یورپ کے ڈاکٹروں نے تحقیقات کر کے اور جنس ایجاد کی ہے جو اپنے ہی جنس کی طرف راغب ہو۔ اس جنس

میں عورتیں بھی شامل ہیں اور مرد بھی۔''(۶)

مغربی نفسیات دانوں بالخصوص فرائیڈ اور ہولاک ایلس کے حوالے افسانے میں بعض مقامات پر بار محسوس ہوتے ہیں۔ یورپی تحقیقات کے مطالعے کے سبب ردولوی کے افسانے میں بے ساختگی اور آزادی سے لبریز اسلوب پیدا نہیں ہو سکا۔ یہ افسانہ ان کے وسیع المطالعہ ہونے بالخصوص ابتدائی عہد ہی میں فرائیڈ، ہولاک ایلس وغیرہ کے نظریات سے آگہی کا تصور ابھارتا ہے مگر اس آگہی نے ان کے ہاں افسانویت کو ضعف پہنچایا ہے۔ افسانے میں بارہا ایسے مقامات آئے ہیں کہ جہاں کہانی اور وحدتِ تاثر کا دامن افسانہ نگار سے چھوٹا ہے۔ ایسے مقامات پر عموماً ردولوی یا علوم میں ڈوب جاتے ہیں یا پھر موضوع کے اس نئے پن کی توجیہات دینے لگتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> '' لکھنے والوں کو اغلام مساحقے کے ذکر میں مزا نہیں آتا۔ مگر اس کے ساتھ ان چیزوں کا ذکر کرنے سے ڈرتا بھی نہیں۔ اگر یہ چیزیں ہوتی ہیں تو چپ رہنے سے ان میں اصلاح نہ ہوگی۔۔۔ ہمارے قصبے کے لوگ دراصل ہولاک ایلس اور فرائڈ کو نہیں پڑھے ہیں۔ اس وجہ سے مجبوراً ہمیں ان مسائل سے بحث کرنا پڑی۔''(۷)

بحث و مباحثہ کی اسی فضا سے افسانے کا حسن قدرے مجروح ضرور ہوا ہے مگر یہ افسانہ اس لیے لائق قدر ہے کہ اس کی صورت میں اردو افسانے کی تاریخ میں پہلی کسی افسانہ نگار نے ہم جنس پرستی کو اپنا موضوع بنایا اور اس عہد میں اس پر روشنی ڈالی جب اس نوع کی باتیں کرنا تہذیب و شائستگی کے دائروں سے باہر سمجھا جاتا تھا۔ افسانے میں افراد کے جنسی مسائل کو موضوع بنانے کے حوالے سے محمد علی ردولوی اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں پروفیسر مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں: ''چودھری صاحب کے افسانوں نے شاید اردو افسانہ نگاری پر کوئی نقش نہیں چھوڑا، لیکن جنسی تحریکات کے ضمن میں اس کے افسانے پیشرو ضرور ہیں۔''(۸) چوہدری محمد علی ردولوی نے افراد کے جنسی میلانات کی مدد سے انفرادی رویوں کی بازیافت کی۔ ان سے قبل یلدرم، نیاز فتح پوری، سلطان حیدر جوش اور ل۔ احمد کی صورت میں افسانے کا رومانی لب و لہجہ موجود تھا جبکہ پریم چند کی وساطت سے حقیقت پسندی اور ترقی پسندانہ نظریات بھی افسانے میں اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ چوہدری محمد علی ردولوی نے مذکورہ دونوں جہات سے ہٹ کر افسانے تحریر کیے۔ انہوں نے اجتماعی مسائل اور اصطلاح کی بجائے فرد کی انفرادی حیثیت کو افسانوں میں پیش کیا اور اس کے معاشرتی وجود پر زیادہ نگاہ نہیں کی۔ اسی سبب ان کے ہاں انفرادی مسائل اور جنسی الجھنوں میں گھرے ہوئے کردار نظر آتے ہیں۔ ''تیسری جنس'' اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اس افسانے میں محمد علی ردولوی نے نہ تو شہر سے وابستہ افراد کے جنسی مسائل پر بات کی ہے اور دیہات میں رہنے والوں کو اجاگر کیا ہے۔ چونکہ وہ خود ایک قصبے کے تعلقدار تھے(۹) اس لیے ان کے اس افسانے کے کرداروں کی نسبت بھی قصباتی زندگی سے ہے۔ شہر اور گاؤں

دونوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور ان کے نفسیاتی و جنسی مسائل اردو افسانے میں دکھائی دیتے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان قصباتی فضا پر اردو افسانے میں زیادہ نہیں لکھا گیا۔ محمد علی ردولوی کا افسانہ ''تیسری جنس'' قصباتی فضاؤں ہی سے وابستہ افراد کے نفسیاتی و جنسی مسائل بیان کر کے اپنی منفرد حیثیت بھی قائم کرتا ہے۔ ان کے افسانوں کی وساطت سے اس عہد کے قصبوں میں رہنے والے افراد کی انفرادی زندگی اور رویے نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۳۵۔۴۰ء کے بعد آنے والے افسانہ نگاروں کی بے مثل کھیپ منٹو، بیدی، غلام عباس، کرشن چندر، عصمت چغتائی وغیرہ نے ابتدائی عہد کے افسانہ نگاروں کو یوں پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ تاریخ کا حصہ بھی نہ بن سکے۔ پریم چند استثنائی مثال ہیں۔ ہماری یاداشت سے محو ہو جانے والے ابتدائی افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام چوہدری محمد علی ردولوی کا ہے کہ جنھوں نے اردو افسانے کو جدید سماجی علوم کے نزدیک تر کرنے کی کوشش کی۔ اس اعتبار سے انھیں ممتاز مفتی، حسن عسکری اور ممتاز شیریں کا پیش رو افسانہ نگار کہا جا سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر: ''افسانہ۔ حقیقت سے علامت تک''، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۶ء، ص۳۹۔

۲۔ قاضی عابد، ڈاکٹر: ''اردو افسانہ اور اساطیر''، ملتان، شعبہ اردو، زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۲، ص۱۱۰۔

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی: ''افسانے کی حمایت میں''، دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۲ء، ص۱۹۰۔

۴۔ ردولوی، محمد علی: ''تیسری جنس''، (افسانہ) مشمولہ نقوش، افسانہ نمبر، شمارہ نمبر ۵۳۔۵۴، دسمبر ۱۹۵۵ء، ص۲۹۔

۵۔ منٹو، سعادت حسن: ''منٹو راما''، ص۴۸۵

۶۔ ردولوی، محمد علی: ''نقوش افسانہ نمبر، ص۲۹۰۔

۷۔ ایضاً

۸۔ قاضی، فردوس انور، ڈاکٹر: ''اردو افسانہ نگاری کے رجحانات''، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص۹۸ (بحوالہ)

۹۔ ایضاً